© rasailojaraid.com

کلیدی خطبہ

ضیاءالدین اصلاحی

قرآن مجید نوع انسانی کے لیے خدا کا آخری پیغام اور قیامت تک کے لیے صحیفہ رشد و ہدایت ہے، انسان کی فطرت میں خدا نے توحید اور حق و عدل پسندی کی جو صلاحیت اور خوبی ودیعت کی ہے، قرآن مجید اسی کی یاددہانی کے لیے آیا ہے، وہ لوگوں کو کفر و ضلالت کی تیرگی سے نکال کر انھیں ایمان و یقین کا نور بخشنے اور صراط مستقیم کی دعوت دینے کے لیے اتارا گیا ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل: ۹)	یہ قرآن اس راہ کی رہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔

لیکن شروع سے آج تک ایک طبقہ وگروہ اس کی شدید مخالفت کرتا رہا ہے، اس نے شر و فساد کا استیصال کر کے ایک پرامن نظام کی دعوت اور روح کو تڑپا اور قلب کو گرما دینے والی کتاب کی آواز نہ صرف اپنے ہی کان میں نہ پڑنے دی بلکہ دوسروں کو بھی سننے سے روکا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَاتَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حٰم سجدة: ۲۶)	اور ان لوگوں نے جنھوں نے انکار کیا کہ مت کان دھرو اس قرآن کو سننے کے لیے اور اس کے پڑھنے میں بک بک کرو، شاید تم غالب ہو۔

مگر قرآن مجید کے زمانہ نزول میں اس کی جس قدر زور شور سے مخالفت ہوئی، اسی قدر تیزی سے اس کا اثر و نفوذ بڑھتا گیا، اس کے ثبوت میں تاریخ و سیر سے بے شمار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں مگر اس کی تفصیل کا موقع نہیں، حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی انقلاب انگیز دعوت نے بہت قلیل عرصے میں عرب کی کایا پلٹ دی اور سارا عرب قرآن کے نور مبین سے جگمگا اٹھا۔

عرب کے دور ظلمت میں مخالفتوں کے طوفان میں جب سارا عرب قرآن کا گرویدہ ہو گیا تو ان کو اس زمانہ کی متمدن قومیں وحشی اور اونٹوں کا گلہ بان سمجھتی تھیں، حضرت سعد بن وقاصؓ نے یزدگرد کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو اس کی رگ مجوسیت پھڑک اٹھی اور آپے سے باہر ہو کر جو کچھ کہا اسے فردوسی کی زبان سے سنیے:

زشیر شتر خوردن و سوسمار — عرب را بہ جائے رسید ست کار

کہ تخت کیاں را کنند آرزو — تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

(اونٹ اور گوہ کھاتے کھاتے اب عرب کے یہ دن آگئے کہ کیانی تخت کی ہوس کرنے لگے، آسمان تجھ پر تف ہے اور پھر تف ہے)

بیسویں صدی میں انسان ستاروں کی گزرگاہیں ڈھونڈ رہا اور سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہا ہے، اسے علم و آگہی، ایجاد و اختراع اور سائنس کی حیرت انگیز برکات و فتوحات کا دور کہا جا رہا ہے جس میں تازہ بہ تازہ نوع بہ نوع ایسے انکشافات ہو رہے ہیں جو قرآن کی عظمت و صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں اور اس کے جاودانی حقایق کو روز بہ روز سامنے لاتے جا رہے ہیں جس سے گویا یَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (النحل: ۸) کی عملی تفسیر ہو رہی ہے۔

اس دور میں بھی قرآن مجید پر ایک طبقے کی جانب سے شدید یلغار ہو رہی ہے اور دنیا کی سب سے بڑی مہذب اور اپنی طاقت کے نشے میں سرشار قوم اس کی بے حرمتی کی مرتکب ہو رہی ہے اور دوسری متمدن قوموں اور ترقی پذیر ممالک کی جانب سے اس کے متعلق اس طرح کی اوچھی اور گھناؤنی حرکتیں ہو رہی ہیں جن سے دور وحشت کا انسان بلکہ جنگل کے وحوش و بہائم بھی شرما اٹھیں، نیا قرآن وضع کیا جا رہا ہے، جہاد و قتال کی آیتیں اس سے نکالی جا رہی ہیں، منکرین و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی کجی و گمراہی کی مذمت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وارد آیتیں حذف کی جارہی ہیں، کولکاتا کے رسوائے زمانہ چوپڑا نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور قرآن مجید پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا، یہ مقدمہ بالآخر خارج ہوا، کولکاتا ہائی کورٹ میں اس کے ایک پیروکار (جسٹس خواجہ محمد یوسف مرحوم) کہتے تھے کہ کیس کی پیروی کے درمیان معلوم ہوتا تھا کہ مجھ پر غیب سے عجیب عجیب قانونی نکات القاہورہے ہیں۔

جس طرح عہد نبوت اور عہد صحابہ میں مخالفتوں کے طوفان میں بھی نہ صرف عرب بلکہ چار دانگ عالم میں قرآن مجید کی تعلیم وہدایت پھیلتی رہی، اسی طرح بیسویں صدی میں بھی قرآن کے خلاف ہونے والے شور وغوغا میں بھی اس پر تحقیق وتدقیق اور مطالعہ کا کام آگے بڑھ رہا ہے اور مسلمان ہی نہیں غیر مسلم فضلا بھی اس بحر ناپیدا کنار کی تہوں سے وہ گہرہائے آب دار اور نئے نئے مضامین نکالتے جارہے ہیں جن کا تصور بھی پچھلی صدیوں میں کوئی نہیں کرسکتا تھا۔

خبر کرو! میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار

بھلا اس چراغ کی لو کیسے مدھم ہوسکتی ہے جسے خداوند قدوس نے روشن کیا تھا اور جس کی جمع وحفاظت اور بیان وتشریح کا ذمہ بھی خود ہی لیا تھا۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ فَاِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (القیامۃ: ۱۶–۱۹)	ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کرنا اور اس کو سنانا، پس جب ہم اس کو سنادیں تو اس کی پیروی کر۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کی تفصیل۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (حجر: ۹)	یہ یاددہانی ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن مجید کے خلاف ہر زمانے میں مہم جاری رہے گی، آندھیاں اٹھتی رہیں گی لیکن طوفان برق وباد میں بھی قندیل ربانی فروزاں رہے گی۔ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ (الروم: ۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیسویں صدی میں جس طرح فطرت کی تمام اشیاء میں غور وفکر سے نئے نئے انکشافات ہورہے ہیں اورنئی نئی دریافتیں سامنے آرہی ہیں، اسی طرح قرآن مجید کے جاودانی حقائق و معارف بھی سورج کی طرح ہمارے سامنے روشن ہوتے جارہے ہیں اور گوناگوں پہلوؤں سے قرآنیات کے میدان میں نئے نئے گل بوٹے اگ رہے ہیں اور تحقیق و دریافت، تلاش وجستجو اور تفکر وتدبر فی القرآن کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔

ادارہ علوم القرآن اور اس کے ذمہ دار اور کارکن مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بیسویں صدی میں قرآن مجید کے علوم و تحقیق کے جائزے کے لیے اس دو روزہ سمینار کا انعقاد کیا ہے، یہ ادارہ قرآنی علوم وفنون کی خدمت وفروغ ہی کے لیے قائم کیا گیا ہے، اس لیے یہ اس کا حق بھی تھا اور انشاء اللہ دوروزہ سمینار کے مقالات سے بیسویں صدی میں اس میدان میں ہونے والے کاموں کی پیش رفت کا بہت کچھ اندازہ ہوگا، آگے چل کر میں بھی اس کا جایزہ لینے کی حقیر کوشش کروں گا، لیکن اس سے پہلے گزشتہ صدیوں میں تفسیر وقرآنیات کے میدان میں سلف کی کدوکاوش پر ایک طائرانہ نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔

شروع سے مسلمانوں کو قرآن مجید سے بڑا شغف رہا ہے، رسول اللہ ﷺ کا اصل منصب قرآن مجید کی آیتوں کی تلاوت اور ان کے ذریعہ نفوس انسانی کی تربیت وتزکیہ اور ان کے احکام وقوانین کی تعلیم وتلقین تھا، اس لیے جب وہ نازل ہوتا تھا تو آپ اس کو یاد کرنے اور محفوظ کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے، اس سلسلے میں آپ کی عجلت اور بے تابی شوق اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ وحی الٰہی نے تنبیہ کی کہ:

لَاتُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ فَاِذَا قَرَأنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ (القیامۃ: ۱۶-۱۹)	نہ چلا اسے پڑھنے پر اپنی زبان کو کہ جلدی سیکھ لے، ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کرنا اور اس کو سنانا تو جب ہم اس کو سنا چکیں تو اس سنانے کی پیروی کرو، پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس کی وضاحت کرنا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی مفہوم کی آیت سورہ طٰہٰ میں بھی ہے وَلَاتَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً (طٰہٰ:۱۱۴) قرآن مجید کی تحریر و کتابت آپ نے بعض صحابہ کے سپرد کیا تھا اور شروع میں اپنے ارشادات کو قلم بند کرنے سے بھی روک دیا تھا کہ کہیں قرآن مجید سے ان کا اختلاط یا اس میں کوئی ہیر پھیر اور ادل بدل نہ ہو جائے۔

قرآن مجید کی ترتیب توقیفی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی آیتیں جب نازل ہوتی تھیں تو نبی ﷺ اللہ کے حکم وایما کے مطابق کاتبین وحی کو ہدایت فرماتے تھے کہ ان کو کس سورہ میں اور کن آیتوں کے بعد رکھیں۔ قرآن مجید کا جس قدر حصہ نازل ہو چکا ہوتا تھا رمضان المبارک میں حکم الٰہی کی ترتیب کے مطابق اس کا ورد آپ حضرت جبرئیل سے فرماتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی، اس سال آخری رمضان میں آپ نے یہ مذاکرہ دو بار کیا تھا، صحیح بخاری میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو بے کم و کاست لوگوں تک پہنچانے کا کام آپ نے پوری ذمہ داری سے انجام دیا اور لوگوں کو اس کی تعلیم و ہدایت سے آشنا کرنے اور ان کی اصلاح و تزکیہ کرنے میں بھی کوئی کور کسر باقی نہیں رکھی، آپ کا وجود مبارک قرآن پاک کی عملی تفسیر تھا، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے آپ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا کان خلقه القرآن۔ آپ صحابہ کرام کو قرآن مجید سیکھنے سکھانے کی تلقین کرتے رہتے تھے ارشاد ہے: خيركم من تعلم القرآن وعلمه، صحابہ کرام کو مذاکرہ قرآن میں مشغول دیکھتے تو بڑی خوشی ظاہر کرتے۔

صحابہ کرام کو خود بھی قرآن مجید سے بڑی دل چسپی تھی۔ وہ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرتے تھے، ان کو قرآن مجید کا مقصد و مدعا سمجھنے میں زیادہ دشواری بھی نہیں ہوتی تھی کیوں کہ وہ ان ہی کی زبان و اسلوب میں نازل ہوا تھا، علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان القرآن نزل بلغة العرب علی اسالیب بلاغتھم فکانوا کلھم یفھمونہ ویعلمون معانیہ فی مفرداتہ وتراکیبہ ۱؎

قرآن مجید عربوں کی زبان میں ان کے اسلوب بلاغت کے مطابق نازل ہوا تھا اس لیے سب ہی اس کو سمجھتے تھے اور اس کے مفردات ومرکبات سے واقف تھے۔

بعض صحابہ کرام قرآن مجید کے حقائق ودقائق معلوم کرنے کے درپے نہیں ہوتے تھے بلکہ اسے تکلف وتعمق سمجھتے تھے اور چوں کہ رسول اللہ ﷺ اس کے درمیان موجود تھے اس لیے آپ سے انھیں جو کچھ معلوم ہوجاتا تھا اس کو کافی سمجھتے تھے لیکن تمام صحابہ کا یہ حال نہ تھا اور نہ سارے صحابہ علم وفہم میں اور ذہنی حیثیت سے یکساں تھے، اس لیے وہ قرآن مجید کے سرسری مفہوم پر قانع نہیں رہتے تھے، ابوعبدالرحمٰن سلمی نے حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب ہم لوگ آں حضرت ﷺ سے دس آیتیں پڑھ لیتے تھے تو جب تک ان کی علمی وعملی حقیقت کو بہ خوبی جان نہیں لیتے تھے آگے نہیں بڑھتے تھے، یہ لوگ فرماتے تھے کہ ہم نے قرآن کے علمی وعملی پہلوؤں دونوں کو ایک ساتھ حاصل کیا، اسی لیے ایک ایک سورہ کے فکر ومطالعہ میں برسوں لگادیتے تھے۔۲؎ مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے تھے کہ ہم میں سے کوئی سورہ بقرہ وآل عمران پڑھ لیتا تھا تو وہ ہماری نگاہوں میں بڑا ہوجاتا تھا، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے متعلق روایتوں میں آتا ہے کہ سورہ بقرہ کے غور وفکر میں آٹھ برس صرف کیے۔

مفسرین قرآن کی حیثیت سے جن صحابہ کو شہرت ملی ان میں خلفاء اربعہ، عبداللہ ابن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے نام ہیں، ابن عباسؓ گو سب میں کم سن تھے مگر قرآن فہمی کی وجہ سے حبر امت اور ترجمان القرآن کہلاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی تھی کہ **اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل**۔ حضرت عمرؓ ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے، لیکن حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو چھوڑ کر اس طبقے کے جملہ صحابہ کرام سے تفسیری روایات کم منقول ہیں۔ ابوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، انس بن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالکؓ اور حضرت عائشہؓ سے بھی تفسیری روایات ملتی ہیں، مگر مفسرین صحابہ میں اکثر احتیاط کی بناء پر انھیں معانی پر اکتفا کرتے تھے جو بعض الفاظ یا آیات قرآنی کی تشریح سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے مسموع ہوئے تھے مگر حضرت ابن مسعودؓ ابن عباسؓ قرآن مجید میں تدبر و تفکر کو ضروری خیال کرتے تھے لیکن یہ لوگ بھی حقیقت کی تہہ تک پہنچے اور اچھی طرح سمجھے بغیر آیات کی تفسیر کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

صحابہ کرام کے زمانے میں عربی جاہلیت کے رسوم و عادات، عہد رسالت کے واقعات اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال و اعمال اور قضایا وغیرہ کی مدد سے آیات کی تشریح کی جاتی تھی۔ لیکن اس دور میں خارجی، شیعی، قدری اور مرجی وغیرہ فرقے ظہور میں آچکے تھے اور وہ اپنے عقائد کے مطابق تاویل و تفسیر کرتے تھے، بعض لوگ یہودی اور عیسائی مذہب ترک کر کے مسلمان ہو گئے تھے جیسے عبد اللہ بن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری وغیرہ، چوں کہ قرآن مجید میں بعض تاریخی حقائق یا تکوین عالم، حضرت آدمؑ وحوا کی پیدائش، انبیائے سابقین اور اقوام گزشتہ کے واقعات کا ذکر تذکیر واستدلال کے لیے اختصار سے محض بہ قدر ضرورت کیا گیا ہے۔ لیکن تورات میں یہ مفصلا مذکور ہیں اور انسانی طبیعت کا یہ خاصا ہے کہ جب کسی چیز کو سنتی ہے تو وہ اس کی تفصیلات جاننے کی بھی خواہش مند ہوتی ہے، اس لیے بعض صحابہ کرامؓ علمائے اہل کتاب سے ان امور کی تفصیل دریافت کرتے تھے، اس طرح تفسیری ذخیرے میں اسرائیلیات کو بھی در آنے کا موقع ملا اور یہ قصے عوام کی دل چسپی کا سامان ہوتے تھے۔

صحابہ کرام کے بعد ان کے تلامذہ یعنی تابعین کے دور میں اکابر ائمہ تفسیر کے نام یہ ہیں:

عکرمہ، عطا بن رباح، ضحاک بن مزاحم، سعید بن جبیر، مجاہد بن حبر، حسن بصری، مسروق، زید بن اسلم، قتادہ، ابوالعالیہ، ربیع بن انس اور عوفی وغیرہ۔

اس عہد میں اسرائیلیات سے دل چسپی اور بڑھ گئی تھی چناں چہ جن چیزوں کی تفصیل کو غیر ضروری اور بے سود سمجھ کر قرآن مجید میں نظر انداز کر دیا گیا تھا وہ داخل تفسیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گئے۔ مثلاً سفینہ نوح کی مقدار و وسعت، اس میں رکھے جانے والے جوڑوں کی اقسام، حضرت ابراہیمؑ کے چاروں پرندوں کے انواع، حضرت خضر کے واقعہ میں غاصب بادشاہ کا خاندان اور اس کے بچے کا نام ونسب جس کو حضرت خضر نے قتل کیا تھا، حضرت یوسف نے جن گیارہ ستاروں کو خواب میں دیکھا تھا، ان کے نشانات و مقامات، حضرت موسیٰ کی بیوی حضرت شعیب کی چھوٹی بیٹی تھیں یا بڑی؟ انھوں نے آٹھ سال یا دس سال میں سے کون مدت پوری کی تھی، اصحاب کہف کے نام، ان کے کتے کے رنگ ونسل وغیرہ کی بحث وتفتیش وغیرہ روایات کے ذریعہ خوب پھیلیں، ان کا مرجع کعب بن احبار اور وہب بن منبہ تھے جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے۔ محتاط علما نے ان کی روایات سے پرہیز کیا مگر ابن جریر کی تفسیر میں تو کم مگر ثعلبی وغیرہ کے یہاں بہ کثرت اسی طرح کی روایتیں موجود ہیں۔

تبع تابعین کے دور میں راویوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، عطا بن دینار، مقاتل بن سلیمان، سفیان ثوری، وکیع بن جراح اور سفیان بن عیینہ کے علاوہ ابن جریج، اسحاق بن راہویہ، آدم بن ایاس، عبدالرزاق اور امام مالک وغیرہ اس طبقہ کے سرخیل ہیں۔

اس دور میں بعض لوگوں نے تفسیریں بھی مدون کیں مثلاً ابن جریج، سفیان بن عیینہ، وکیع بن جراح، شعبہ اور ابو بکر بن شیبہ، مگر یہ تفسیریں ناپید ہیں، انھوں نے اپنے شیوخ سے جو روایتیں سنی تھیں ان ہی کو قلم بند کیا تھا، اس دور میں اسرائیلی روایات تفسیری سرمایہ بن گئیں، تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی نے بعض اہل فن کا قول نقل کیا ہے کہ ابن جریج روایتیں وضع کرتے تھے۔[۲]

تبع تابعین کا دور دوسری صدی ہجری میں ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد ان کے تلامذہ کا دور شروع ہوتا ہے، تیسری صدی میں کتب کی تدوین کا عام رواج ہوا، صحاح ستہ اسی دور میں مدون ہوئیں، ان میں کتاب التفسیر کا حصہ بھی شامل ہے جن میں سورتوں کی ترتیب پر تفسیری روایات جمع کی گئی ہیں، جو قرآن کے الفاظ وآیات کے متعلق متقدمین کے مرویات پر مشتمل ہیں لیکن ان کتابوں کی اکثر روایتیں صحابہ کرام یا ان کے تلامذہ کی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے مرفوع روایات کی تعداد بہت کم ہے، علاوہ ازیں کتب صحاح کے تفسیری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابواب بہت مختصر ہیں اور ان میں کسی سورہ کے ایک یا دو لفظوں اور کسی سورہ کی صرف ایک یا دو آیتوں کے متعلق روایات درج ہیں۔ جو فقہائے صحابہ قرآنی آیات میں فکر و تدبر کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے جس کی تاکید قرآن مجید میں بھی جا بجا کی گئی ہے، ان کی مرویات کی تعداد کم ہے اور تفسیر میں تو اقل قلیل۔ امام سیوطی نے الاتقان کے آخر میں ان تفسیری روایات کو نقل کیا ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مرفوع ہیں مگر یہ صرف پندرہ صفحوں میں ہیں اور اگر مزید چھان بین کی جائے تو سیوطی کی نقل کردہ روایات اور بھی کم ہو سکتی ہیں۔

تیسری صدی ہجری میں جب کتب حدیث کی تدوین ہوئی تو راویوں اور روایتوں پر نقد و جرح کا کام بھی ہوا اس کے نتیجے میں تفسیری روایات کا بڑا حصہ روایت کی ضعف کی وجہ سے مشکوک ثابت ہوا، ضحاک بن مزاحم، مقاتل بن سلیمان، ابو صالح مصری، محمد بن سایب کلبی، سدی، محمد بن مروان، بشیر بن عمار اور عوفی وغیرہ جن سے بہ کثرت تفسیری روایتیں منقول ہیں، ایمہ جرح و تعدیل کے یہاں وضاع قرار پائے۔[۴]

حضرت علیؓ کی تفسیری روایات کی تعداد ۶۸۶ ہے جن میں ایمہ حدیث کے بیان کے مطابق صرف پچاس صحیح ہیں[۵] حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتیں صاحب مرأۃ التفسیر نے ۱۶۶۰ لکھی ہے[۶] امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ان کی مرویات حد شمار سے باہر ہیں پھر ان کے روایات کے مجروح ہونے کے متعلق ائمہ فن کے اقوال کی تفصیل بیان کرنے کے بعد امام شافعیؒ کا یہ قول فیصل نقل کرتے ہیں: لم يثبت عن ابن عباس في التفسير الاشبيه بمأة حديث۔[۷] یعنی ابن عباس کی تفسیری روایتوں میں صرف سو کے قریب ثابت ہیں۔

غرض تفسیری روایتوں میں جعل و وضع کا سلسلہ اور اسرائیلیات کا شمول عہد نبوی کے بعد ہی شروع ہو گیا تھا، اسی بنا پر امام احمد جو روایت و جرح و تعدیل کے امام اور امام بخاری و مسلم کے استاد بھی ہیں فرماتے ہیں، تین کتابوں کی کوئی اصلیت نہیں، مغازی، ملاحم اور تفسیر۔

تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی میں پورے قرآن مجید کی تفسیریں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھنے کا رواج ہوا، اس دور کی مشہور تفسیروں کے نام یہ ہیں:

تفسیر ابن جریر (م ۳۱۰ھ)، تفسیر ابن منذر (م ۳۱۸ھ)، تفسیر ابن ابی حاتم (۳۲۷ھ)، تفسیر امام حاکم (م ۳۵۹ھ)، اور تفسیر ابن حیان (۳۶۹ھ)۔

ان تفسیروں میں صحابہ تابعین اور علما کی روایات درج ہیں، مصنفین نے اپنی کوئی رائے نہیں دی ہے، صرف حافظ ابن جریر طبری نے آیات کے الفاظ کے معنی اور ان کے متعلق متقدمین کے اقوال و اختلافات سنداً تحریر کیے ہیں ان میں سے کسی ایک قول کو مرجح قرار دے کر اس کے اسباب بتائے ہیں، آیات کا مفہوم بیان کرنے میں بھی ان کا یہی طریقہ ہے، بعض جگہوں پر مسائل کا استنباط کیا ہے اور وجوہ اعراب سے بھی بحث کی ہے۔

اس تفسیر کو ام التفاسیر اور احسن التفاسیر کہا جاتا ہے، اس میں امام صاحب کے زمانے سے قبل کا تمام تفسیری ذخیرہ آگیا ہے مگر اس میں رطب و یابس ہر طرح کی روایات نقد و جرح کے بغیر ہی شامل کرلی گئی ہیں، لیکن چوں کہ ان سب کی سندیں لکھ دی ہیں اس لیے پرکھنا آسان ہے۔

شروع میں تفسیر پر نقل و روایت کا غلبہ تھا لیکن جس طرح عہد صحابہ ہی سے فقہ میں اہل رائے اور اہل حدیث کے دو گروہ ہوگئے تھے، اسی طرح تفسیر کے بھی دو اسکول تھے، ایک گروہ صرف رسولؐ کے اقوال اور صحابہ کے مرویات پر اعتماد کرتا تھا اور اپنی رائے کو اس میں مطلق دخل نہیں دیتا تھا مگر دوسرا گروہ استنباط سے بھی کام لیتا تھا، اس کی وجہ سے تفسیر کے ساتھ تاویل کا لفظ بھی چل نکلا، اول الذکر سے رسول اکرمؐ اور صحابہ اور مابعد کے لوگوں کے اقوال و مرویات مراد لیے جاتے ہیں اور تاویل سے وہ معانی مراد لیے جاتے ہیں جو فکر و اجتہاد سے مستنبط ہوتے تھے۔

چوتھی صدی میں مسلمانوں میں مختلف علمی تحریکات پیدا ہوئیں اور عباسی دور میں جب علوم و فنون کی تدوین شروع ہوئی تو اس کا اثر تفسیر پر بھی پڑا، صرف و نحو، بلاغت و معانی، فقہ و اصول فقہ، منطق و فلسفہ اور کلام و تصوف کا عام رواج ہوا اور ان علوم کے ماہرین نے اپنے اپنے زاویوں سے تفسیریں لکھیں، علاوہ ازیں نئے نئے مذہبی فرقے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہو گئے اور سب نے اپنے اپنے عقائد کے مطابق تفسیریں لکھیں جن کی وجہ سے تفسیروں کی نوعیتیں بدل گئیں، مثلاً زجاج اور کسائی صرف ونحو کے امام تھے، انھوں نے تفسیروں میں لفظی تصرفات اور وجوہ اعراب سے بحث کی، ابوعبید نے قرآن کے غریب الفاظ کو موضوع بنایا، ابواللیث سمرقندی اور علامہ قرطبی نے فروعات فقہ پر آیات سے استدلال کیا، مؤرخین ثعلبی اور ابن اثیر قصص کی تفصیل میں پڑے، عبدالقاہر جرجانی اور ابو ہلال عسکری نے بلاغت و معانی کے لطائف بیان کیے، ابن العربی اور واحدی وغیرہ نے تصوف کا رنگ بھرا، شیعہ مفسرین نے آیات قرآنی سے اپنے خیالات کا اثبات کیا۔

اسی زمانے میں متکلمین کا گروہ پیدا ہوا جس نے اسلامی عقاید کو ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیتوں کی تاویل کی، اس وقت عقلی تفسیروں سے چارہ نہ تھا، اب جن اقوام سے مسلمانوں کو سابقہ کرنا پڑ رہا تھا وہ اور یہود ونصاریٰ اور ملاحدہ قرآن مجید پر عقلی حیثیت سے اعتراض کرتے تھے جن کا جواب متکلمین کو عقلی حیثیت سے دینا پڑتا تھا، ان کا یہ طریقہ ارباب نقل کو پسند نہیں تھا چناں چہ ان میں اور اہلِ عقل میں نزاع اور کشمکش ہوئی اور اب تفسیر کی دو قسمیں ہو گئیں منقولی و معقولی۔ عباسی دور میں دونوں کی طرح تفسیریں لکھی گئیں، نقلی حیثیت سے جو قدیم تفسیری سرمایہ تھا اسے ابن جریر نے اپنی تفسیر میں سمیٹ لیا تھا لیکن وہ علم کلام کے مباحث سے خالی تھی کیوں کہ ابن جریر محدث تھے متکلم نہیں تھے، ان کے بعد اس طرح کی جو تفسیریں لکھی گئیں وہ دراصل تفسیر ابن جریر سے ماخوذ تھیں، بالخصوص حافظ ابن کثیر نے تو اسی کا خلاصہ اور تنقیح کر کے اپنی تفسیر مرتب کی۔ ابن جریر کی تفسیر کے پایہ کو نہ پہنچ سکی، مولانا شبلی کے بہ قول:

> ''درحقیقت ایک ہی نغمہ ہے جو مختلف سازوں سے ادا ہوتا ہے، آٹھ سو برس کی وسیع مدت میں ہزاروں لاکھوں اہل فن پیدا ہوئے لیکن ان تمام قالبوں میں ایک ہی روح کام کر رہی ہے''۔[8]

اس زمانے میں فرقہ معتزلہ علم و مذہب کی خدمت کے لیے آگے بڑھا وہ نقل و روایت سے زیادہ عقل و درایت کو اہمیت دیتا تھا، انھوں نے اپنے بعض خاص عقاید کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اثبات اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے عقلی اصول پر تفسیریں لکھیں جن میں چوتھی صدی ہجری کے ابو حکم اصفہانی، ابوالقاسم بلخی، عبداللہ بن احمد بن محمود کعبی، ابوبکر اصم اور قفال کی تفسیریں بہت اہم تھیں مگر وہ معدوم ہیں، امام رازی کی تفسیر میں ان کے اقوال بہ کثرت موجود ہیں جن کی مدد سے مولانا سعید انصاری مرحوم نے تفسیر ابومسلم اصفہانی مرتب کی تھی جو دارالمصنفین سے شایع ہوئی۔

معتزلہ کے مقابلہ میں اشاعرہ نے بھی فلسفہ وحکمت کے اصول وقواعد کے مطابق تفسیریں لکھیں جن میں عبدالکریم شہرستانی (م ۵۴۸ھ) اور امام فخرالدین رازی (م ۶۰۶ھ) کی تفسیریں مشہور ہیں۔

چھٹی صدی ہجری کی تصانیف میں سب سے مقدم اور اہم طبری کی تفسیر ہے جس کا ذکر متعدد بار ہو چکا ہے، اس کے علاوہ دو اور اہم تفسیریں ہیں پہلی علامہ زمخشری کی کشاف جس کی شہرت لغت وادب کی حیثیت سے ہے، مصنف معانی وبلاغت کے امام تھے، معتزلی ہونے کے باوجود نحو وعربیت اور بلاغت کے مباحث کے لحاظ سے ہر طبقہ کے لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں، اس کے بعد اس نوعیت کی جو تفسیریں لکھی گئیں جیسے بیضاوی وغیرہ وہ اسی کی تلخیص ہے، تیسری امام رازی کی تفسیر کبیر ہے جو علمائے معقول میں مقبول ہوئی کلامی طرز کی تفسیروں میں اس کا وہی درجہ ہے جو روایتی تفسیروں میں ابن جریر کا ہے، اس کے بعد کی معقولی تفسیریں اکثر وبیشتر اسی سے ماخوذ ہیں۔

ساتویں صدی سے علوم وفنون کے زوال کا دور شروع ہوگیا اور مجتہدانہ دور ختم ہوگیا اچانک علمی جدوجہد اور ذہنی اپج کا جو سلسلہ ابتدائی صدیوں میں جاری تھا وہ موقوف ہوگیا، تفسیر اور قرآنی علوم کے میدان کی حالت اور زیادہ مایوس کن اور دردانگیز ہے، اس کی داستان مولانا ابوالکلام کی زبان سے سننے کے لایق ہے، لکھتے ہیں:

> ”اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لے کر قرون اخیرہ تک جس قدر مفسر پیدا ہوئے، ان کا طریق تفسیر ایک روبہ تنزل معیار فکر کی مسلسل زنجیر ہے، جس کی ہر کڑی پہلے سے پست تر اور ہر سابق لاحق سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلند تر واقع ہوئی ہے، اس سلسلے میں جس قدر اوپر کی طرف بڑھتے جاتے ہیں، حقیقت زیادہ واضح، زیادہ بلند اور اپنی قدرتی شکل میں نمایاں ہوتی جاتی ہے، جس قدر نیچے اترتے ہیں حالت برعکس ہوتی جاتی ہے''۔۹

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''چوتھی صدی ہجری کے بعد علوم اسلامیہ کا مجتہدانہ دور ختم ہوگیا اور شواذ ونوادر کے علاوہ عام شاہ راہ تقلید کی شاہ راہ ہوگئی۔اس داء عضال نے جسم تفسیر میں بھی پوری طرح سرایت کی، ہر شخص جو تفسیر کے لیے قدم اٹھاتا کسی پیش رو کو اپنے سامنے رکھ لیتا تھا اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا، اگر تیسری صدی میں کسی مفسر سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو ضروری ہے کہ نویں صدی کی تفسیروں تک وہ برابر نقل در نقل ہوتی چلی آئے، کسی نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کہ چند لمحوں کے لیے تقلید سے الگ ہو کر تحقیق کر لے کہ معاملہ کی اصلیت کیا ہے، رفتہ رفتہ تفسیر نویسی کی ہمتیں اس قدر پست ہوگئیں کہ کسی متداول تفسیر پر حاشیہ چڑھا دینے سے آگے نہ بڑھ سکیں، بیضاوی اور جلالین کے حاشیے دیکھو ایک بنے ہوئے مکان کی لیپ پوت کرنے میں کس طرح قوت تصنیف رائگاں گئی ہے، زمانے کی بد ذوقی نے بھی ہر کج اندیشی کو سہارا دیا چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرون اخیرہ میں درس وتداول کے لیے وہی تفسیریں مقبول ہوئیں جو قدماء کے محاسن سے یک قلم خالی تھیں، وقت کا یہ سوءِ انتخاب ہر علم وفن میں جاری رہا ہے جو زمانہ جرجانی پر سکاکی کو اور سکاکی پر تفتازانی کو ترجیح دیتا تھا یقیناً اس دربار سے بیضاوی وجلالین ہی کو حسن قبول کی سند مل سکتی تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متداول تفسیریں اٹھا کر دیکھو جس مقام کی تفسیر میں متعدد اقوال
موجود ہوں گے، وہاں اکثر اسی قول کو ترجیح دیں گے جو سب سے
زیادہ کمزور اور بے محل ہوگا، جو اقوال نقل کریں گے ان میں بہتر قول
موجود ہوگا لیکن اسے نظر انداز کر دیں گے"۔ ۱۰

یہ درست ہے کہ اسلامی علوم کی خدمت میں علماء ہند کے کارنامے مسلم ہیں مگر ڈاکٹر زبید احمد کے اس خیال سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ ہندوستان کی عربی پیداوار یہاں کی فارسی پیداوار کے مقابلے میں بہت کم ہے اور جو کچھ ہے اس میں اور تخیلی، جدت و ابتکار کی کمی ہے۔ اولاً تو معقولات سے بڑھتے ہوئے شغف نے منقولات کی جانب توجہ کا زیادہ موقع نہیں دیا اور جس قدر توجہ کی گئی وہ شروح وحواشی کے دائروں تک محدود رہی ثانیاً یہاں عربی تصنیف وتالیف کا باقاعدہ آغاز ہوا تو اس زمانے میں بلاد اسلامیہ کی عام علمی جدوجہد کا عہد زریں ختم ہو چکا تھا اور بعض علوم عربیہ پختگی وارتقا کی اس حد کو پہنچ چکے تھے جس کے آگے مزید ترقی کے امکانات کم تھے اور علوم کی ترقی وتوسیع کے لیے جس قسم کا مجتہدانہ ذوق ونظر درکار تھا تفسیر تو درکنار نواب صدیق حسن خاں نے **الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ** میں علم حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ شاہ عبدالحق دہلوی سے قبل وہ ہندوستان میں کبریت احمر کی طرح نایاب تھا۔

بیسویں صدی عیسوی سے قبل تفسیر اور قرآنیات کے میدان میں جو کام انجام پائے ان کی تفصیل مولانا عبدالحیٔ کی کتاب **الثقافة الاسلامیه فی الهند** سے معلوم کی جا سکتی ہے، ہم یہاں اس کی نوعیت کی جانب اشارے پر اکتفاء کرتے ہیں:

ا۔ تفسیروں کے شروح وحواشی زیادہ لکھے گئے (۲) علوم قرآن میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں فن قرأت وتجوید نمایاں ہے، (۳) مکمل اور نامکمل تفسیریں لکھی گئیں، بعض نے صنعت اہمال میں بھی تفسیر لکھی، (۴) بعض لوگوں نے چند اور بعض نے ایک ہی دو سورہ کی تفسیریں لکھیں (۵) بعض تفسیروں میں فقہ واحکام سے متعلق آیتوں کی تفسیر کی گئی (۶) بعض حضرات نے معرفت وتصوف کے نکات سے تعرض کیا (۷) بعض کی توجہ نحو و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعراب کے مسائل پر مرکوز رہی (۸) بعض تفسیروں میں خاص مضامین کے تحت آیات اکٹھا کرکے ان کی تشریح کی گئی (۹) شاہ ولی اللہ صاحب نے فارسی میں اور ان کے صاحب زدگان نے اردو میں قرآن کے ترجمے مع حواشی لکھے (۱۰) شاہ صاحب نے الفوز الکبیر اور فتح الخبیر وغیرہ لکھیں (۱۱) مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی نے بھاکا میں ترجمہ کیا اور سرسید نے نصف قرآن کی تفسیر لکھی۔

بیسویں صدی عیسوی علمی وتفسیری حیثیت سے بہت ممتاز ہے، اس دور میں علم و فن کی قیادت کی باگ ڈور یورپ کے ہاتھ میں تھی، اس کے اثر سے مشرق میں بھی تصنیف وتالیف کا انداز بدلا اور بعض حضرات پر مغرب کی گہری چھاپ پڑی مگر اکثر تفسیریں خذما صفا ودع ماکدر کا نمونہ تھیں، مصر میں شیخ محمد عبدہ (م ۱۹۰۵ء) اور ان کے تلامذہ کے تفسیری کام میں جدت وابتکار فکر ہے، شیخ کی نامکمل تفسیر علامہ سید رشید رضا (م ۱۳۵۴ھ) نے مکمل کرنی چاہی تھی مگر نصف قرآن تک ہی پہنچے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا، شیخ محمد مصطفیٰ مراغی (۱۹۴۵ء) بھی شیخ عبدہ کے شاگرد تھے، شیخ جوہری طنطاوی کی تفسیر الجواهر في القرآن مغربی علوم کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی، اس میں علوم کونیہ، عجائب عالم، بدائع طبیعی اور سائنسی مباحث کا غلبہ ہے، شیخ حسن البنا شہید نے مقدمہ تفسیر لکھا، سید قطب نے آٹھ جلدوں میں تفسیر في ظلال القرآن لکھی اور علوم قرآنی میں بھی بعض کتابیں جیسے مشاهد القيامة، التصوير الفني في القرآن وغیرہ لکھیں، حسن باجودہ، ڈاکٹر محمد بوہی اور مصطفیٰ صادق رافعی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، موخر الذکر نے اعجاز القرآن والبلاغة النبويه لکھی۔

اس صدی میں ہندوستان میں قرآنیات کے ذخیرے میں بڑا اضافہ ہوا، لیکن ان کی نوعیتیں مختلف ہیں اور درجات میں بھی تفاوت ہے، چند قابل ذکر کتب کی ایک سرسری فہرست پیش کی جاتی ہے۔

محمد یعقوب حسن سیٹھ مدراس نے کتاب الهدی اور کشاف الهدی کے نام سے تین جلدیں لکھیں، کشاف الهدی مقدمہ ہے، اس میں علوم قرآنی سے متعلق ضروری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مباحث ہیں اور کتاب الھدی میں پورے قرآن میں پھیلے ہوئے متفرق مضامین کو ایک عنوان کے تحت آنے والی آیتوں کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور بالمقابل ان کے ترجمے دیے ہیں حواشی میں ان مضامین کے متعلق جدید تحقیقات اور قدیم صحف کے بیانات بھی لکھے ہیں تا کہ قرآن پاک کی حقانیت اور جدید تحقیقات کے موازنے سے اس کی صداقت آشکارا ہو، اس کے پہلے حصے میں توحید، اسماء صفات الٰہی، آغاز آفرینش، تخلیق کائنات اور ملائکہ سے متعلق آیتیں یک جا کی ہیں۔ دوسرا حصہ قصص کے ذکر میں ہے اور حضرت آدم سے حضرت موسیٰؑ تک کے انبیا کا ذکر ہے، مصنف کے خاکے کے مطابق کشاف الہدی ۲۷ حصوں میں مکمل ہوتی مگر دوسرا حصہ طبع ہو رہا تھا کہ ۱۴ صفر ۱۳۵۹ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔

تفسیروں میں مولانا وحید الزماں کی تفسیر وحیدی، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر القرآن بالقرآن (عربی) اور تفسیر ثنائی (اردو)، مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان القرآن، مولانا عبد الماجد دریابادی کی تفسیر ماجدی (اردو اور انگریزی) مولانا ابو الکلام آزاد کی ترجمان القرآن (نا مکمل)، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن، مولانا مفتی شفیع کی معارف القرآن، مولانا امین احسن اصلاحی کی تدبر قرآن، مولانا حسین بن علی کی افادات تفسیر جواہر القرآن، چودھری غلام احمد پرویز کی معارف القرآن، مولانا وحید الدین خان کی تذکیر القرآن، مولانا شمس پیرزادہ کی دعوۃ القرآن، مولانا منظور نعمانی کے دروس القرآن وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔

قرآن مجید کے اہم اردو ترجموں میں ڈپٹی نذیر احمد، مولانا جونا گڑھی، مولانا محمود الحسن، مولانا شبیر احمد، مولانا فتح محمد جالندھری اور مولانا احمد رضا خاں کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اوپر جن تفسیروں کا ذکر ہوا ہے وہ سب بھی ترجمہ سے آراستہ ہیں مگر ان سب ترجموں کے متعلق مولانا اخلاق حسین قاسمی کی یہ رائے قابل غور ہے کہ شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ اور شاہ رفیع الدین کا اردو لفظی ترجمہ اور شاہ عبد القادر صاحب کا بامحاورہ اردو ترجمہ، یہ تینوں تراجم بنیادی تراجم ہیں، بعد والوں نے معمولی ردوبدل اور لفظی ترجمہ و اضافہ کر کے اپنے اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذوق اور اردو کے اسالیب کی ترقی کو سامنے رکھ کر نئے تراجم تحریر کیے۔[۱۱]

مولانا عبد السلام قدوائی کی روح القرآن، مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی کی تفسیر مفتاح القرآن، قاضی محمد زاہد الحسینی کی تفسیر اور قرآنی تصنیفات اور مولانا عبد الباری کی تفسیر سورۃ العصر موسوم بہ نظام اصلاح وفلاح اور مولوی عبد الغفور فاروقی کی حدایق البیان، مولانا عمر احمد عثمانی کی فقہ القرآن، مولانا حفظ الرحمٰن کی قصص القرآن اور حسن الدین احمد کی احسن البیان فی علوم القرآن اسی صدی کا قابل ذکر سرمایہ ہیں۔ مولانا انور شاہ کی مشکلات القرآن اور عقیدۃ الاسلام اور ان کے صاحب زادے مولانا انظر شاہ بھی قرآنی میدان میں معروف ہیں۔

علامہ شبلی جب علی گڑھ میں استاد تھے تو طلبہ کو خارج اوقات میں درس قرآن دیتے تھے، ان کی تصنیفات سے قرآنی تحقیقات کو مولانا سعود عالم قاسمی نے اکٹھا کر دیا ہے، ان کے شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبد السلام ندوی کے بھی قرآنیات میں کام ہیں خصوصاً سید صاحب کی لکھی ہوئی سیرت النبی میں جابجا قرآنی نکات ملتے ہیں ارض القرآن ان کی تصنیف ہے۔ مقالات قرآنی کا بھی ایک مجموعہ چھپا ہے۔

مولانا اسلم جے راج پوری قرآن فہمی میں بہت ممتاز تھے، انھوں نے تفاسیر کا یہ نقص بتایا ہے کہ ان میں وہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس کے مطابق کسی انسانی کتاب کی تشریح کی جاتی ہے یعنی فاتحہ سے شروع کر کے ایک ایک آیت کی سلسلہ وار لکھتے چلے جاتے ہیں اور خاتمہ تک پہنچا دیتے ہیں، اس طرح آیات اور الفاظ قرآن کے معانی کی شرح تو ضرور ہو جاتی ہے مگر قرآن سمجھ میں نہیں آتا اس لیے کہ اس کی تعلیمات اس ترتیب اور ربط کے ساتھ نہیں بیان کی گئی ہیں جس طرح انسانوں کی کتابوں میں بیان کی جاتی ہیں بلکہ اس کی ہر تعلیم متعدد سورتوں اور آیتوں میں اس کے طول وعرض میں بتدریج اتاری گئی ہے، تاوقتیکہ کسی خاص مسئلہ کے متعلق تمام تعلیمات متفرق صورتوں سے نکال کر جمع نہ کر لی جائیں اور ان کو صحیح ترتیب کے ساتھ مرتب نہ کیا جائے اس مسئلہ کی پوری قرآنی تعلیم ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لہٰذا ان تفسیروں نیز ترجموں سے جو سلسلہ بہ سلسلہ آیات کے ساتھ چلتے ہیں، قرآنی تعلیمات کی توضیح نہیں ہو سکتی فہم قرآن کے لیے ان تفسیروں کی نوعیت تقریباً وہی ہے جو فن طب میں کتب مفردات کی ہے جن میں حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ دواؤں کے نام، خواص، آثار اور بدل وغیرہ لکھ دیے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ کوئی شخص ان کو پڑھ کر طبیب نہیں ہو سکتا، بجنسہ اسی طرح ان تفاسیر و تراجم کے مطالعہ سے بھی کوئی شخص حقایق قرآنی کا عالم نہیں ہو سکتا"۔۱۲

اسی بنا پر مولانا نے تعلیمات قرآن کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، ان کے فیض یافتہ چودھری غلام احمد پرویز کی تفسیر معارف القرآن بھی اسی نہج پر لکھی گئی ہے، قاضی مظہر الدین بلگرامی مرحوم سابق استاذ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی کتاب کنوز القرآن بھی اسی انداز پر لکھی گئی ہے جس میں تقریباً ۵۰ قرآنی اقتباسات مع اردو انگریزی ترجمہ جمع کیا ہے جن میں اسلام کی وہ بنیادی تعلیمات سمٹ آئی ہیں جو انسانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو حاوی ہیں، یہ مفید حواشی سے بھی مزین ہے، اس انداز کی اور کتابیں بھی ہیں جن میں کتاب الہدیٰ کا ذکر آچکا ہے۔

مولانا اسلم نے نکات قرآن، تاریخ القرآن اور بہت سارے قرآنی مقالات لکھ کر بھی قرآن سے اپنے لگاؤ کا ثبوت دیا ہے، مولانا عبد الماجد دریابادی نے اردو اور انگریزی تفسیر کے علاوہ جغرافیہ قرآنی اور اعلام القرآن وغیرہ لکھیں۔

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن کے علاوہ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں لکھیں جس کا عربی ترجمہ بھی ہوا ہے، ان کا رسالہ ترجمان القرآن قرآن مجید پر عالمانہ مقالات کے لیے مختص ہوتا تھا۔

مولانا صدر الدین اصلاحی نے چند پاروں کی ایک آسان تفسیر تیسیر القرآن لکھی، مولانا مودودی کی تفہیم القرآن کی تلخیص ایک ضخیم جلد میں مرتب کی، ان کی عام تصنیفات بھی قرآنی حقایق کی ترجمان ہوتی ہیں۔ جماعت اسلامی نے غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے مفید لٹریچر تیار کیا محمد فاروق خاں نے ہندی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی عرصے تک ندوۃ العلما کے استاذ تفسیر رہے ، **الصراع بین الایمان والمادیۃ** ،سورہ کہف کے مطالعہ وتامل کا اچھا مرقع ہے۔

مولانا محمد اویس ندوی نگرامی بھی دار العلوم ندوۃ العلما کے استاذ تفسیر تھے، قرآنیات پر کئی مقالے لکھے، ماہنامہ صبح صادق کا قرآن نمبر نکالا۔ امام ابن قیمؒ کی مختلف کتابوں سے جمع کر کے تفسیر ابن قیم شایع کی۔ ان کا درس قرآن بھی اہمیت کا حامل ہوتا تھا جس سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ زیادہ فیض یاب ہوتا تھا۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے فہم قرآن اور وحی الٰہی لکھ کر قرآن مجید کی خدمت کی۔

مولانا ابو الجلال ندوی نے قرآنیات پر بڑے معرکہ آرا مضامین لکھے، وہ عبرانی سے بھی واقف تھے، ان کے محققانہ مضامین ان کی دقت نظر کے علاوہ قرآن اور دوسرے صحف سماوی سے ان کی گہری واقفیت کا ثبوت ہوتے تھے۔

مولانا احمد علی لاہوری کے درس قرآن کی بڑی شہرت تھی ، انھوں نے بھی ترجمہ و تفسیر قرآنی کی نمایاں خدمت کیں، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے خواجہ عبد الحی صاحب مولانا کے خاص شارح وترجمان تھے جنھوں نے متعدد قرآنی رسایل لکھے۔

اس زمانے میں مولانا اخلاق حسین قاسمی بھی قرآن پاک کو اپنا خاص موضوع بنائے ہوئے ہیں، شاہ عبد القادر دہلوی کے ترجمہ قرآن اور ان کی تفسیر موضح القرآن پر ان کا کام بہت وقیع ہے، شاہ ولی اللہ کے قرآنی افکار کی ترجمانی کے لیے بھی ان کا قلم وقف رہتا ہے اور مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت پر بھی اپنے مطالعہ کا نچوڑ پیش کرتے رہتے ہیں، اس ضمن میں عام مترجمین ومفسرین کے نکات کی نشان دہی کے علاوہ ان کے اخطا و تسامحات کی گرفت بھی فرماتے رہتے ہیں۔

مولانا شہاب الدین ندوی مرحوم عمر بھر کتابیں اور مضامین لکھ کر جدید سائنسی انکشافات سے قرآنی مطالب وحقایق کی توثیق وتایید فرماتے رہے۔

اسی طرح اور بھی بہت سے علماء ومشائخ، فرقہ امامیہ اور جماعت احمدیہ کے لوگوں نے بھی قرآنیات کی خدمت حسب توفیق انجام دی، اس صدی کا سب سے اہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کارنامہ دائرہ حمیدیہ کا قیام ہے، یہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے جو قرآن مجید کی محققانہ تعلیم کے لیے قایم کیا گیا تھا زیر اہتمام ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہی کے علوم و معارف کی اشاعت کے لیے قایم کیا گیا تھا جہاں سے ان کی متعدد قرآنی تصنیفات کی اشاعت کے علاوہ مولانا امین احسن اصلاحی کی ادارت میں رسالہ ''الاصلاح'' بھی شایع کیا جو قرآنی مضامین کے لیے ہی مختص ہوتا تھا، اس میں مدیر ''الاصلاح'' کے علاوہ ان کے ہم درس مولانا اختر احسن اصلاحی اور تلامذہ مولانا بدر الدین اصلاحی، مولانا حافظ عبد الاحد اصلاحی، مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی اور مولانا داؤد اکبر اصلاحی اور ملک کے دوسرے اہل علم کے محققانہ مقالات شایع ہوتے تھے، ادارہ علوم القرآن نے الاصلاح کے قرآنی مقالات کا مجموعہ بڑے اہتمام سے شایع کیا ہے۔ مولانا ابواللیث کے مضامین ترجمان القرآن میں بھی چھپے اور مولانا داؤد اکبر نے ترجمان القرآن، معارف اور برہان میں بھی مضامین لکھے جن کا ایک مجموعہ مشکلات القرآن کے نام سے چھپا تھا۔

مدرسۃ الاصلاح سے اب بھی ایک سہ ماہی رسالہ نظام القرآن کے نام سے شایع ہوتا ہے، یہیں کے فضلا نے علی گڑھ میں ادارہ علوم القرآن قایم کیا ہے، جس کا ششماہی رسالہ علوم القرآن کئی برسوں سے شایع ہو رہا ہے، یہ دونوں رسالے بھی قرآنی مضامین کے لیے ہی مختص ہیں۔

مدرسۃ الاصلاح، دائرہ حمیدیہ، ادارہ علوم القرآن اور پاکستان میں ادارہ تدبر قرآن جس شجرہ طیبہ کے برگ و بار ہیں وہ ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہی کی ذات گرامی ہے جن کی حیثیت بیسویں صدی کے خدام قرآن میں آفتاب جہاں تاب کی ہے۔

كأنك شمس والملوك كواكب   إذا طلعت لم يبد منهن كوكب

علامہ اقبال نے ایسے ہی یگانہ روزگار کے لیے یہ کہا تھا۔

خورشید تاب جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں   آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں

مولانا حمید الدین فراہی کو مجتہدانہ ذوق ونظر، جدت وابتکار، حقایق ودقایق کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استنباط واستخراج اور نکتہ آفرینی و دقیقہ سنجی کی قدرتی بخشایش نے صف عام سے الگ کر دیا تھا، ان کا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کے فہم وتدبر کا ذوق پیدا کیا اور اس کے مطالعہ وتحقیق کی ایک نئی راہ کھول دی، ان کا انداز فکر ونظر سب سے الگ تھا۔

اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا   اس کے اسرار کے محرم ہیں پیران طریق

تفسیر وقرآنیات میں انھوں نے جو عظیم الشان نقوش چھوڑے ہیں ان کی بنا پر ان کی طرف سے یہ فخراً کہا جاسکتا ہے کہ:

وانی وان کنت الاخیر زمانہ   لآت بما لم تستطعہ الاوائل

مدۃ العمر قرآن مجید ہی ان کے فکر ونظر اور غور وتامل کا مرکز ومحور رہا اور وہ اس کے بحر ناپید اکنار میں غواصی فرماتے رہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے حقایق واسرار ان پر منکشف کر دیے تھے، مولانا کو مجدد علوم کہنا بے جا نہ ہوگا وہ دراصل علوم اسلامیہ کی تجدید وتطہیر کرنا چاہتے تھے اور قرآن مجید ہی کو سارے علوم کا محور بنانا چاہتے تھے اور اسی کی روشنی میں حدیث وفقہ کلام وعقاید، فلسفہ ومنطق، نحو وصرف اور معانی وبلاغت کو ازسر نو مدون کرنا چاہتے تھے، ان کی تصنیف **جمھرۃ البلاغۃ** اور **القاید الی عیون العقاید** ان کی اسی سعی وکاوش کا نتیجہ ہیں۔

مولانا حمید الدین فراہی کو پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا موقع نہیں ملا لیکن ان کی تفسیر نظام القرآن کے جو اجزا چھپے ہیں وہ اواخر قرآن کی بعض سورتوں کی تفسیریں ہیں، ان کے علاوہ علوم قرآنی میں جو تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں وہ دراصل ان کی تفسیر کے مقدمے ہیں مثلاً **الرای الصحیح فیمن ھو الذبیح**، **امعان فی اقسام القرآن**، **التکمیل فی اصول التاویل**، **دلائل النظام**، **اسالیب القرآن**، **مفردات القرآن**، **فی ملکوت اللہ**، **حجج القرآن** اور **حکمۃ القرآن** وغیرہ پر مستقل مکمل اور نامکمل رسالے اسی لیے لکھے تاکہ تفسیر میں اس طرح کے مباحث بار بار آئیں تو ہر جگہ ان کا اعادہ وتکرار نہ ہو، یہ تمام رسائل اور اجزائے تفسیر سور قرآن فہمی کی کلید اور فکر ونظر اور تفکر وتدبر فی القرآن کی نئی راہیں کھولنے کے لیے کافی ہیں، ان کی ساری تصنیفات و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسائل تفسیر قرآنی علوم و معارف کا گنجینہ، اسرار و دقایق کا خزانہ اور حقایق سنجیوں کا ایک چمنستان ہیں، ان کا کوئی رسالہ اور تصنیف حقایق و دقایق سے خالی نہیں۔ مولانا کے اصول تفسیر و تاویل کو سمجھنے کے لیے ان کی دو کتابوں اصول التاویل اور فاتحہ تفسیر نظام القرآن کا مطالعہ ضروری ہے، اصول التاویل پر میں پہلے لکھ چکا ہوں، اس موقع پر فاتحہ کے دیباچے ہی پر گفتگو محدود رکھ کر تفسیر کی نوعیت دکھانا مقصود ہے، فاتحہ تفسیر ایک دیباچہ اور ۱۶ مقدمات پر مشتمل ہے۔

دیباچے میں بتایا ہے کہ میں نے تفسیر میں اس کی کوشش کی ہے کہ آیات قرآنی کے نظم و باہمی تعلق کو واضح کروں اور قرآن مجید کی ایک سادہ اور ایسی صاف تفسیر لکھوں جو ان تمام اختلافات سے خالی ہو جو عہد نبوت کے بعد پیدا ہوئے، میری کوشش رہے گی کہ قرآنی آیتوں کا معنی و مطلب اسی جیسی دوسری آیتوں سے کروں، چناں چہ سورہ کے نظام کو گہرائی میں جا کر اور اس کے سیاق کو سمجھ کر معلوم کروں پھر اس کی کد و کاوش سے جو کچھ ہاتھ لگے اس کو عقل و نقل سے مدلل کروں۔

نظم قرآن کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی تلاش میں میں نے کسی شخص کی پیروی نہیں کی بلکہ صرف خداداد بصیرت ہی میری رہنما رہی ہے لیکن اس کی تلاش میں میں تنہا نہیں ہوں، سیوطی کی اتقان کے حوالے سے ابو جعفر بن زبیر اور برہان الدین بقاعی کی اس موضوع پر تصانیف کا نام لیتے ہوئے امام فخر الدین رازی کی تفسیر سے نظم قرآن کی اہمیت دکھائی ہے لیکن اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ ایک جماعت قرآن مجید میں کسی قسم کے نظم کی قایل نہیں مثلاً عز الدین بن عبد السلام۔ نظم قرآن کا دروازہ ان پر کیسے کھلا اس کی مختصر وضاحت کر کے کہ لکھتے ہیں کہ کیوں میں اپنے فکر و تدبر کے نتائج پیش کرنے کے لیے مجبور ہوا؟ یہ وجوہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تاویل کا بیشتر اختلاف اس بات کا نتیجہ ہے کہ لوگوں نے آیات کے اندر نظم کو ملحوظ نہیں رکھا، اگر یہ ظاہر ہوتا اور سورہ کا عمود واضح طور پر سامنے ہوتا تو تاویل میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا اور ہر فریق قرآن کی من مانی تاویل نہ کرتا، کلام کی صحیح سمت نظم ہی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم ہوسکتی ہے اور خدا کا کلام اسی طرح غلط تاویلوں اور تحریفوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

۲-قرآن مجید پر بے نظمی کا الزام لگا کر ملحدین خود اس پر بھی الزام لگاتے، ایسی حالت میں چپ چاپ رہنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔

۳-نظم کلام ہی کا جز ہوتا ہے، اس کو چھوڑنے سے خود کلام کے مفہوم کا ایک حصہ مخفی ہو جائے گا، مرکبات میں جو بات ہوتی ہے وہ کسی چیز کے متفرق اجزاء میں نہیں ہوتی، اسی لیے فہم نظام سے محروم شخص کی نظر سے کلام کی ایک بڑی حقیقت پوشیدہ رہ جاتی ہے، اہل کتاب کے متعلق جو یہ کہا گیا ہے کہ "فَنَسُوْا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" مجھ کو اندیشہ ہے کہ مسلمانوں میں عداوت و بغض کی جو وبا پھوٹ پڑی ہے، وہ اسی بات کا نتیجہ نہ ہو کہ انھوں نظم قرآن کو نظر انداز کر کے قرآن کے ایک حصے کو نظر انداز کر دیا ہے، اہل کتاب کے لیے اصلاح حال کا موقع آخری بعثت اور آخری صحیفہ کے ذریعے باقی تھا اور مسلمانوں کے لیے صرف یہی قرآن مجید باقی رہ گیا ہے۔

۴-قرآن مجید وقتاً فوقتاً حالات و ضروریات کے اقتضا سے تدریجاً نازل کیا گیا ہے تا کہ اس کے فہم و قبول کی اچھی استعداد پیدا ہو سکے اور قرآن مجید کی ترتیب توقیفی ہے، تھوڑا تھوڑا قرآن مجید نازل کرنے کے بعد اسے ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کیا اور اس کی تشریح حسب ضرورت فرمائی "اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ" گویا سورتوں کے مکمل ہونے بعد اللہ تعالیٰ ان کی آیتوں کو جمع کر کے انھیں مرتب کر دیتا اور ان کی تشریح فرما دیتا اور رسول اکرم ﷺ اس کی ہدایت کے مطابق آیتوں کو ان کی جگہوں پر رکھ دیتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ احکام میں امت کے لیے تخفیف اور بعض آسانیاں انسانی فطرت کے ضعف کے سبب پیش آنے والی ہیں، مولانا اس طرح کی بعض آیتوں اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضُعْفًا (الانفال:٦٦) وغیرہ نقل کر کے بتاتے ہیں کہ توضیحی و تشریحی آیتوں کے بعد بالعموم اس طرح کی آیت آیا کرتی ہے، وَكَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ (التوبۃ:١٨٧) یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درحقیقت سورہ قیامہ میں مذکور اس کے وعدے کا ایفا اور سورہ طٰہٰ کی اس دعا کا جواب ہے کہ رب زدنی علما۔

۵۔قرآن مجید کی طرح احادیث سے بھی ثابت ہے کہ جب کوئی آیت اترتی ہے تو نبی ﷺ حکم دیتے کہ اسے فلاں سورہ میں فلاں جگہ رکھا جائے اور جب سورہ مکمل ہو جاتی تو حضرت جبرئیلؑ آپ کو پوری سورہ از سر نو سنا دیتے ،اسی جمع و قرأت کی پیروی کا حکم آں حضرت ﷺ کو سورہ قیامہ میں دیا گیا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا اور خاص فضل ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں کی ترتیب سے متعلق امت کے اندر کوئی اختلاف نہیں، مسلمانوں کے سارے فرقوں کے پاس قرآن مجید یکساں ترتیب کے ساتھ ہے۔

٦۔نظم قرآن کی سب سے بڑی شہادت ان لوگوں کا ایمان و یقین ہے جن پر حسن ترتیب کے محاسن کسی قدر بے نقاب ہوئے ہیں ان کے خیال میں کتاب اللہ کے اسرار و عجائب کے عظیم الشان خزانے کی کلید صرف نظم ہے، اس سے ان کے ذوق جستجو اور طمانیت میں اضافہ ہوتا ہے اور جو دروازہ ان پر کھلتا ہے، اس پر وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوتے ہیں، خدا کی کتاب تو ایک سمندر ہے جس کے عجائب ختم نہیں ہوں گے، آفتاب کو کون اپنے احاطے میں کر سکتا ہے، کوئی شخص قرآن کے معاملے میں غلطی سے محفوظ نہیں رہ سکتا، وہ اس موقع پر ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے نظم قرآن کی نعمت عظمیٰ پانے پر اللہ کا شکر ادا کیا ہے۔

مولانا فراہی کے نزدیک نظم کی تلاش و جستجو محتاج تدبیر ہے، آخر میں وہ ان لوگوں کا جواب دیتے ہیں جو کہتے ہیں اگر نظم ایسی عظیم الشان اور پر از منفعت چیز ہے تو رسول اللہ ﷺ نے کیوں اس کی وضاحت نہیں فرمائی اور صحابہ کرام نے اس کے متعلق سکوت سے کیوں کام لیا، فرماتے ہیں کہ صحابہ کے سامنے آیات کا موقع و محل بالکل واضح تھا، وہ ان ہی کے حالات اور ان ہی کے پیش نظر معاملات سے متعلق تھیں، اگر ہم بھی ان کے مبارک عہد میں ہوتے تو آیتوں کا نظم ہمارے لیے بھی بالکل واضح اور روشن ہوتا، اسی لیے صحابہ کرام سے تفسیر بہت کم منقول ہے، زبان ان کی تھی، اسلوب ان کے تھے اور معاملات و حالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے تھے، جب ان میں سے کوئی چیز ہم کو نصیب نہیں تو نظم کو سمجھنے میں ہمارا اور ان کا حال کیسے یکساں ہوگا؟ لیکن کلام کے طرز بیان اور طریقہ استدلال کے اندر ایسے اشارات ضرور موجود ہوتے ہیں جو ذہین شخص کے لیے اشاراتِ نظم کو بے نقاب کرتے ہیں۔

فاتحہ تفسیر کے دیباچے میں اپنی تفسیر کے بنیادی اصول نظم کے متعلق یہی لکھا ہے، آگے اس کے بعض مقدموں میں بھی اس پر بحث و گفتگو کی ہے اور اس پر **دلائل النظام** کے نام سے مستقل رسالہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

دیباچے میں انھوں نے اپنے دوسرے اصول تفسیر الآیات بالآیات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ سیوطی کا یہ اقتباس نقل کیا ہے کہ ”مفسر کے لیے سب سے مقدم اصول یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کرے اس میں جو چیز ایک جگہ مجمل ہوتی ہے دوسری جگہ شرح وبسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے، ابن جوزی نے خاص اس عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں یہ دکھایا ہے کہ جو چیز ایک جگہ مجمل ہے وہ دوسری جگہ مفصل، اگر قرآن سے تفسیر نہ ہو سکے تو سنت رسول کی طرف رجوع کرے کیوں کہ وہ قرآن کی شارح ومفسر ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سب قرآن سے ماخوذ ہے، اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے: اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرَاکَ اللّٰہُ (النساء: ۱۰۵) اس مضمون کی اور آیتیں بھی ہیں اور خود نبی کا ارشاد ہے ”مجھے قرآن اور اس کے مانند ایک اور چیز بھی اس کے ساتھ دی گئی ہے، یعنی سنت لیکن اگر سنت سے تفسیر نہ ہو سکے تو صحابہ کے اقوال کی طرف رجوع ہو، انھوں نے چوں کہ تمام قرائن وحالات کا مشاہدہ نزول قرآن کے وقت کیا تھا نیز فہم کامل، علم صحیح اور عمل صالح سے مشرف تھے اس لیے وہ تفسیر کے سب سے بڑے جاننے والے ہو سکتے ہیں“ مولانا فراہی فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے ”**مثلہ معہ**“ سے سنت مراد لیا ہے لیکن میرے نزدیک اس سے وہ فہم بصیرت مراد ہے جس سے قلب نبوت وحی کے بعد جگمگا اٹھا تھا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے ”وَاَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحاً مِنْ اَمْرِنَا۔ (الشوریٰ: ۵۲)

اس سے مولانا پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ قرآن کی تفسیر کا پہلا مرجع خود قرآن

ادارہ علوم القرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی ہے، اس کے بعد نبی ﷺ اور ان کے اصحاب کا فہم ہے، میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے سب سے پسند وہی تفسیر ہے جو پیغمبر صحابہ کرام سے منقول ہے۔

بعض علماء کی کتابوں کی بنیاد روایات پر ہے جیسے ابن جریر طبری جس کے متعلق خیال ہے کہ ایسی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی، لیکن اس میں اکثر حدیثیں ضعیف ہیں، مرفوع کا حصہ بہت کم ہے، انھوں نے دراصل اہل تاویل کے اقوال تمام اختلافات کے ساتھ جمع کردیے ہیں میرا یقین ہے کہ صحیح احادیث میں اور قرآن میں کوئی اختلاف نہیں ہے تاہم میں روایات کو بہ طور اصل نہیں، بہ طور تایید پیش کرتا ہوں تاکہ قرآن کو پشت ڈال دینے والے منکرین کو اعتراض کا موقع نہ ملے اور وہ ملحدین بھی اعتراض نہ کرسکیں جو ہمارے سر ایسی چیزیں تھوپتے ہیں جن کی کوئی اصل قرآن میں نہیں ہے، مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید تمام فرقوں کے درمیان حجت قاطع اور مرکز کی حیثیت سے کام دے سکے۔

جو کچھ قرآن سے متعلق ہے اولاً تو وہ سب اس کتاب میں جمع کردینے کا خواہش مند نہیں ہوں کیوں کہ یہ تو ایسا خزانہ ہے جو چاہنے والوں کی کثرت کے باوجود کبھی ختم نہیں ہوسکتا، دوسرے تفسیروں کی کمی نہیں ہے، اصحاب تحقیق کو اس علم سے توفیق الٰہی کے مطابق ان کا حصہ ملے گا، میرا مقصد ایسی کتاب لکھنا ہے جو بنیاد اور مرکز بنے اور وہ نقطۂ اعتدال اور قول فیصل کی طرح ہو، اس لیے میں نے جتنا قرآن میں ہے اسی پر اکتفا کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو کچھ میں نے چھوڑ دیا ہے اس کا منکر ہوں، امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں وہی روایتیں جمع کی ہیں جو ان کے اصول و معیار پر پوری اتریں اور بہت سی صحیح روایتیں چھوڑ دی ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ان کے منکر ہیں میں تو اپنی کتاب میں ان حقایق کا عشر عشیر بھی نہیں بیان کرسکا ہوں جو خود قرآن کے اندر مستور ہیں، اگر اللہ نے چاہا تو اس کے لیے علیحدہ کتاب لکھوں گا اور اس میں حتی الامکان ان تمام معارف کو سمیٹنے کی کوشش کروں گا۔

جس طرح قرآن کو اصل قرار دے کر روایات کو ضمناً بیان کرتا ہوں، اسی طرح ان کتابوں کی شہادتیں بھی ضمناً ہی پیش کرتا ہوں جو قرآن سے پہلے نازل ہوئی تھیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے مقصود قرآن کے ساتھ ان کی موافقت دکھانے کے علاوہ یہود ونصاریٰ پر خود ان کی کتابوں سے حجت پیش کرنا ہے۔

اوپر مولانا کی تفسیر نظام القرآن کے فاتحہ کے دیباچے کے مباحث کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، طوالت کے خوف سے اس کے مقدمات کے صرف عنوانات کے نام لکھنے پر اکتفا کروں گا۔

ا۔شان نزول،۲۔تفسیر کے خبری ماخذ،۳۔تفسیر کے لسانی ماخذ،۴۔آسمانی کتابوں کی شرح ایک دوسرے کی مدد سے۔۵۔قرآن قطعی الدلالت ہے۔ ۶۔مناسبت وترتیب، ۷۔ہر سورہ میں ایک خاص نظام ہے،۸۔احکام وحقایق کے باب میں قرآن وکتب سابقہ کا تعلق۔۹۔سورتوں کی مقدار،۱۰۔قرآنی تعلیم کے اصولی مسایل،۱۱۔معروف ومنکر۔۱۲۔نظم کی دلالت،۱۳۔اجزائے نظام۔۱۴۔سورتوں کے نام اور ان کے عمود ۱۵۔تعیین خطاب، ۱۶۔کیفیت نزول۔

مقدمات کے مطالعہ ہی سے ان کی اصل قدر وقیمت کا اندازہ ہو سکے گا۔

مولانا کی خدماتِ قرآن کا دایرہ بہت وسیع ہے، اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ مشکل ہے، ایک زمانے میں ان کی توجہ قرآن کے اردو ترجمے کی جانب بھی ہوئی مگر یہ کام بھی نامکمل رہا، انھوں نے سورہ قیامہ سے آخر قرآن تک کی سورتوں کا اردو ترجمہ کیا اور ترجمے کے اصول وقوانین سے متعلق کچھ بنیادی خیالات بھی قلم بند کیے جو بہت کارآمد ہیں یہاں ترجمے سے متعلق ان کے بعض خیالات اور ترجمے کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

جہاں دو مختلف الجنس ضمایر آتی ہیں فوراً ذہن دو مختلف چیزوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن اگر ایک ہی طرح کی ضمیر ہو تو وہ بات نہیں پیدا ہوگی اس لیے یہاں اظہار ضروری ہے،" مثلاً **فکذبوہ فعقروھا** " ترجمہ: سو پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کو کاٹ ڈالا۔

عربی میں دو متوالی فعل کو محض واو عطف سے ملاتے ہیں، اردو میں لفظ "کر" صیغہ اصل کے ساتھ ملا کر مثلاً "**والقت ما فیہا وتخلت**" کا ترجمہ: اپنے اندر کی چیزیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باہر ڈال کر خالی ہو جائے گی۔ ہوسکتا ہے مگر شاید بعض جگہ فصل انسب ہوگا۔

بعض زبانوں میں مجہول کثرت سے مستعمل ہوتا ہے مگر صرف وقوع فعل مراد ہوتا ہے، اردو میں ایسا نہیں ہے، اس لیے مجہول کا ترجمہ لازم فعل کی شکل میں صحیح تر ہوگا مثلاً ''واذالعشار عطلت واذالوحوش حشرت ''اس دن کچھ ایسا حال ہوگا کہ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی'' یا اس روز ہر ایک اپنے اپنے حال میں مبتلا ہوگا، جہاں اس طرح کا ترجمہ کیا جائے وہاں حاشیہ میں لفظی ترجمہ لکھ دینا چاہیے اور حتی الوسع اس خیالی ترجمے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ترجمے کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَائِكِ لَايَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا (دھر: ۱۳)	جس میں وہ تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے، نہ وہاں دھوپ ہوگی، نہ ٹھنڈ۔
وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا (نازعات: ۱-۳)	شاہد ہیں جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے والی ہوائیں اور شاہد ہیں آہستہ چلنے والی ہوائیں اور شاہد ہے فضاؤں میں تیرنے والے بادل۔
يَوْمَ لَاتَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (التکویر:)	جس دن ایک جان دوسرے جان کے واسطے کچھ نہ کر سکے گی اور بات اس دن خدا کے ہاتھ میں ہوگی۔
هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَاكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (المطففین: ۳۶)	کیوں پایا نہ کافروں نے اپنے گزشتہ افعال کا بدلہ۔
فَسَوْفَ يَدْعُوْ ثُبُوْرًا وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا (انشقاق: ۱۱-۱۲)	وہ واویلا کرے گا اور آگ میں پڑے گا۔

زبان کا ذوق رکھنے والے ان ترجموں سے لطف اندوز ہوں گے، اردو ترجموں میں شاہ عبدالقادر صاحب اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمے کچھ باتوں سے قطع نظر بعض لوگوں کے نزدیک سب سے بہتر ہیں، اگر مولانا فراہی نے مکمل قرآن کا ترجمہ کیا ہوتا تو وہ اپنی نوعیت میں منفرد اور اردو میں ایک اضافہ ہوتا۔ مولانا نے بیسویں صدی میں قرآن کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عظیم الشان اور بہت انقلابی خدمت انجام دی تھی ان کے طرز و نہج پر خاطر خواہ کام کرنے اور ان کی مہم کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے، اس سے قرآن فہمی کے دروازیں کھلیں گے یالیت قومی یعلمون.

حواشی و مراجع

۱ مقدمہ ابن خلدون، مطبعۃ التقدم، القاہرۃ، ۱۳۲۹ھ، ص ۳۶۷.

۲ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مطبعہ ازھریہ مصریہ، ۱۳۱۸ھ، ۱۷۶/۲

۳ شمس الدین الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد (بدون سن)، ۱۵۳/۱

۴ ذوالفقار احمد نقوی، مرأۃ التفسیر، مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۳۱۶ھ، ص ۲-۲۸.

۵ ابن حزم، الملل و النحل، مطبعۃ التمدن، مصر، ۱۳۲۱ھ، ۱۳۷/۴.

۶ مرأۃ التفسیر، ص ۱۳

۷ الاتقان فی علوم القرآن، محولہ بالا، ۱۸۹/۲!

۸ مقالات شبلی (مرتبہ سید سلیمان ندوی)، جلد چہارم، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۵۶ء

۹ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، زمزم کمپنی لمیٹڈ، لاہور، ۱/ ۹-۱۰ (دیباچہ)

۱۰ ترجمان القرآن، ۱/ ۱۴-۱۵.

۱۱ ترجمان دارالعلوم، جون ۲۰۰۵ء، ص ۸

۱۲ روداد ادارہ معارف اسلامیہ، لاہور، اجلاس دوم، منعقدہ لاہور، ۱-۱۲، اپریل ۱۹۳۶ء، لاہور ۱۹۳۸ء، ۲/ ۲۵-۲۶۔

☆

© rasailojaraid.com